ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

رُومی کی چند تشبیہات

(۸)

ارتقاءِ حیات و کائنات میں ہے نہ کہ خدا کی ذات میں

زندگی کے حقائق و اقدار جو ازلی و لاہوتی ہیں ان میں اور مادی اشیاء میں یہ فرق ہے کہ مادی شے خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے لیکن روحانیت خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی کسی کا علم فیض رسانی سے کم نہیں ہوتا اور نہ ہی محبت برتنے سے محبت میں کمی آتی ہے۔ خرچ کرنے سے نقصان اور کمی صرف مادی اشیاء کا خاصہ ہے۔ خدا اپنے نور کو ازل سے ظلمت ربائی میں خرچ کر رہا ہے لیکن وہ نور الان کما کان موجود ہے۔ خدا کی ذات کی نسبت سے اثر و ایجاد میں افزونی ہوتی ہے۔ وہ اپنی خلقت میں اضافہ کرتا رہتا ہے لیکن خدا کی ذات میں اس آفرینش سے کوئی مزید کمال پیدا نہیں ہوتا۔ کمالِ مطلق میں اضافہ ناممکن ہے۔ اب جو بعض حکماءِ ارتقائیین نے کہنا شروع کیا ہے کہ خدا کی ذات بھی ترقی پذیر ہے، مولانا کے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے:

ور اثر افزوں شد و در ذات نے ۔۔۔ ذات را افزونی و آفات نے

حق ز ایجادِ جہاں افزوں نشد ۔۔۔ آنچہ اول آں نبود اکنوں نہ شد

لیک افزوں شد اثر ز ایجادِ خلق ۔۔۔ درمیانِ آں فراوان است فرق

ہست افزونی اثر اظہارِ او ۔۔۔ تا پدید آید صفات و کارِ او

فرماتے ہیں کہ کسی ذات میں افزونی اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔ جو لوگ خدا کو بھی روز افزوں ترقی کرتی ہوئی ہستی سمجھتے ہیں وہ اس کو حادث بنا دیتے ہیں لیکن ذاتِ مطلق و قدیم حادث کیسے ہو سکتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ نکتہ آسانی سے قابلِ فہم نہیں لیکن ہم یہ کہتے جاتے ہیں تم سنتے جاؤ:

نکتہ شد باریک ایں جا اے رفیق
لیک بشنو تو مقالاتِ دقیق

وسعتِ قلب وسعتِ ارض سے بھی افزوں ہے

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ اپنا دین و ایمان بچانے کے لئے کفرستان سے نکل کر دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرنے والوں کو خدا دروغ گو بہانہ جو سمجھے گا اور ملائکہ ان کی جان نکالتے ہوئے ان سے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم ایمان کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ارض اللہ کی وسعت صرف مکانی نہیں بلکہ مفادِ لامحدود کے لئے امکانی بھی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وہ لاتعداد مخلوق کے لئے رزق پیدا کر رہی ہے اور اس کی قوت و فیضان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کیا قلبِ عارف ارضِ الٰہی سے کم وسیع اور کم مثمر ہے۔ زمین کی مکانیت میں لامحالہ ایک طرح کی ظاہری محدودیت ہے لیکن دل تو لامکانی ہے جہاں بلندی و پستی اور حدود کا کوئی سوال نہیں۔ زمین بفحوائے آیت قرآنی ایک دانہ لے کر سات سو دانے دیتی ہے کیا دل کی مخفی قوتیں اس سے کم ہیں۔

اصلِ ارض اللہ قلبِ عارف است | لامکان است و ندارد فوق و پست
گر فرو ید خوشہ از روضاتِ ہو | پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو

دل کی بہار آفرینی بھی لامحدود ہے یہاں بھی خوش فکری اور خوش عملی کے ایک دانہ سے سات سو دانے نکلتے ہیں:

ریع آں لانے حد و نے عد بود | کمترین دانہ دہد ہفصد بود

اثرِ صحبت سے قلبِ ماہیت

کسی اہلِ دل کی صحبت میں اپنے آپ کو جذب اور ضم کرنے سے کس طرح صفات میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے اس کی مثال ہلیلہ کا مربہ ہے۔ ہلیلہ کی اپنی ذات میں نہایت درجہ تلخی ہوتی ہے لیکن جب قند کے مرتبان میں ایک عرصہ رکھ کر اور اس کی رگ و پے میں شکر کو سمو کر اس کا مربّہ بن جائے تو دیکھنے میں اب بھی ہلیلہ ہلیلہ ہی معلوم ہوتا ہے لیکن ذائقے میں لذت اور شیرینی آجاتی ہے۔ لوگ کریلے کا مربّہ بھی بناتے ہیں اور کریلے جیسی تلخ چیز مربہ بن جانے کے بعد اپنی صورت کو قائم رکھتے ہوئے بھی شیرینی میں طیب و دوز مٹھائی بن جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ مربّی بباید مربّہ بخور۔ اگر کسی شخص کو روحانی مربّی کی صحبت سے فیض پہنچ جائے تو وہ بھی اپنی سیرت میں اخلاقی شیرینی پیدا کر لیتا ہے۔ اویس قرنیؓ کے متعلق فرماتے ہیں:

چوں اویس از خویش فانی گشتہ بود | آں زمینی آسمانی گشتہ بود
آں ہلیلہ پروریدہ در شکر | چاشنیٔ تلخیش نبود دگر

آں ہلیلہ رستہ از ما و منے — نقش دارد از ہلیلہ طعم نے
آں کسے کز خود بکلی در گذشت — ایں منی و مائی خود در نوشت

یعنی اپنی انانیت کو تہ کرکے اس سے بری ہوگیا۔

وحیٔ دل

فرماتے ہیں کہ وحی حق کی حقیقت سے ناآشنا لوگ کبھی اس کو نجوم و رمل کی طرح پیش گوئی کا ذریعہ اور کبھی خواب سے مشابہ سمجھنے لگتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کچھ اور ہی ہے اور اس کو اللہ بہتر جانتا ہے جن اصفیاء و اولیاء کے قلوب میں قبولِ وحی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس سے فیض یاب ہوتے ہیں وہ عوام کی غلط فہمی اور فتنہ انگیزی سے بچنے کے لئے اس کو وحی دل کہہ دیتے ہیں تاکہ لوگ ان پر یہ اتہام نہ لگائیں کہ اب یہ حضرت نبوت کا دعویٰ کرنے لگے ہیں۔ دل کا مقصود یہی مہبطِ وحی ہوتا ہے۔ اس لئے وحی اگر ختمِ نبوت کے معنی میں ختم بھی ہو گئی ہو لیکن اپنی اصلیت میں تو وہ ختم نہیں ہوئی قلوبِ صافیہ کے اندر القائے ربانی جاری ہے ؏

نے نجوم است و نہ رمل است و نہ خواب — وحیٔ حق ، واللہ اعلم بالصواب
از پئے روپوشِ عامہ در جہاں — وحیٔ دل گویند اورا صوفیاں
وحیٔ دل گیرش کہ منظر گاہِ اوست — چوں خطا باشد کہ دل آگاہِ اوست

مومن ینظر بنور اللہ شدی
از خطا و سہو بیروں آمدی

انسان بظاہر ایک کرم ہے لیکن خدا کے کرم سے حقیقتِ حیات سے آگاہ ہو جاتا ہے

آدمی کی ابتدائی مادی اور جسمانی حیثیت بس اس چھوٹے سے کیڑے کی طرح ہے جو ایک سیب کے اندر پنہاں ہوتا ہے۔ تم اس عالم خاک و افلاک کو ایک سیب سمجھ لو جس کے اندر تم ایک کرم ناچیز کی طرح نہ پوری طرح سیب کی حقیقت جانتے ہو اور نہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ سیب کس درخت پر لگا ہے نہ ہی تم کو باغ اور باغبان کی کچھ خبر ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے اس سیب کے اندر کے بعض کیڑے سیب و درخت و باغ و باغبان سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی بصیرت تمام پردوں کو چیر کر فلک شگاف ہو جاتی ہے۔ صورت میں تو ایسا مردِ عارف بھی دوسرے غافل کیڑوں کی طرح ایک کیڑا ہی دکھائی دیتا ہے لیکن وہ از روئے معنی ایک اژدہا بن گیا ہے جو تمام موجودات کے حقائق کو نگل گیا ہے :

آسمانہا وزمیں یک سیب داں | کز درختِ قدرتِ حق شد عیاں
توچو کرمی درمیانِ سیب در | از درخت و باغبانی بے خبر
آں یکے کرمے دگر درسیب ہم | لیک جانش از بروں صاحب علم
جنبشِ او واشگافد سیب را | بر نتابد سیب آں آسیب را

بردریدہ جنبشِ او پردہ ہا
صورتش کرم است و معنی اژدہا

روح کی مسلسل ترقی

روح انسانی میں جو اس جسم سے وابستگی کے باوجود نورِ شعور ہے اس کی بدولت ایک شخص ایک لمحہ میں بغداد و سمرقند پہنچ جاتا ہے۔ ان ظاہری آنکھوں کی چربی کا وزن دو درہم یعنی سات ماشے سے زیادہ نہیں لیکن نظر آسمانوں کی سیر کرتی ہے بغیر اس کے کہ اپنی جگہ سے جنبش کرے۔ اور خواب میں انسان آنکھیں بند کرکے بھی کیا کیا تماشے دیکھتا ہے۔ یہ سب روحِ حیوانی کے کمالات ہیں جو انسان کے اندر کسی قدر ترقی یافتہ ہوگئی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگالو کہ خالص روحِ انسانی کا نور و شعور کس درجہ ہستی کو محیط ہوگا پھر روحِ انسانی کا بھی کوئی ایک درجہ نہیں اعلیٰ مدارج میں تو وہ روح القدس کے درجے تک جا پہنچتی ہے اس سے آگے بڑھ کر دیکھئے تو روحِ محمدی جبرئیل کو بھی ایک مقام تک پہنچ کر پیچھے چھوڑ دیتی ہے:

حد جسمت یکدو گز خود بیش نیست | جانِ تو تا آسماں جولاں کنے است
تا بغداد و سمرقند اے ہمام | روح را اندر تصوّر نیم گام
دو درم سنگ ست پیہ چشم تار | نور روحش تا عنانِ آسماں

بارنامہ روحِ حیوانی است ایں | پیشتر آ روح انسانی ببیں
بگذر از انسان وہم از قال و قیل | تا لبِ دریائے جانِ جبرئیل

انسان کا اصلی دشمن اس کا نفسِ امارہ ہے

حضرت موسیٰؑ جو فرعون کے اصلی دشمن تھے اور اس کا قلع قمع کرنے پر مقرر تھے وہ فرعون کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور فرعون خوف زدہ ہو کر بنی اسرائیل کے تمام بچوں کو قتل کر رہا تھا۔ فرماتے ہیں کہ انسان کا بھی یہی حال

ہے اس کے اصل دشمن جو اس کو حقیقی نقصان پہنچا سکیں اس کی ذات سے خارج نہیں نفس امارہ اس کا دشمنِ حقیقی اس کے اندر پرورش پا رہا ہے لیکن انسان دوسرے انسانوں کو دشمن سمجھ کر ان پر تہمت لگاتا اور اُن پر ظلم کرتا ہے۔ انسان جس قدر خود بد اور ظالم ہوتا ہے اسی قدر دوسروں کو بُرا کہتا اور ان سے بدسلوکی کرتا ہے۔ یہ سوئے ظن اور ظلم ناحق اس کے اپنے نفس کا آئینہ ہوتا ہے۔ مردِ عارف اپنے اندرونی دشمن سے خبردار اور برسرِ پیکار رہتا ہے اور خواہ مخواہ دوسروں کی عیب چینی اور عیب گوئی کو اپنا شیوہ نہیں بناتا۔

ہمچو فرعونیکہ موسیٰ ہشتہ بود — طفلگانِ خلق را سر می بربود
آں عدو در خانۂ آں کور دل — اوشدہ القال راگردن گسل
تو ہم از بیروں بدی با دیگراں — واندروں خوش گشتہ با نفسِ گراں

ہمچو فرعونی تو کور و کور دل
با عدو خوش بیگناہاں را مُزِل

عقلِ اکتسابی و عقلِ وہبی

عارفِ رومی خود علومِ عقلی و نقلی کے مخزن تھے۔ ایک مدت تک کتابی علوم کی درس و تدریس کا شغل رہا۔ فقہ و تفسیر و حدیث و علم کلام و فلسفہ کسی علم میں دوسروں سے ہیٹے نہ تھے لیکن جب فیضانِ الٰہی سے ان کے اندر سے معرفت کا چشمہ اُبل پڑا تو ان کو ان دو قسموں کے علوم کا فرق معلوم ہوا۔ دو چیزوں سے کماحقہٗ واقف انسان کو ہی ان کے مقابلے کا حق پیدا ہوتا ہے اور ایسے انسان کا فیصلہ ہی قابلِ لحاظ اور مایہ یقین ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عقلیں دو قسم کی ہیں ایک وہ عقل ہے جو کتابوں سے اور اُستادوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ یہ عقلِ اکتسابی جاہلوں کے مقابلے میں تو انسانوں کو افضل بنا دیتی ہے لیکن حافظے پر معلومات کا بوجھ دماغ شکن ہوتا ہے ایسے آدمی کا ذہن لوحِ حافظ تو ہوتا ہے لیکن لوحِ محفوظ نہیں ہوتا۔ اگر کتابی عالم کا کتب خانہ جل جائے یا اسے چور لے جائیں تو عالم کی عقلی پونجی بھی جاتی رہتی ہے۔ وہ معلومات کے بارے میں مفلس ہو جاتا ہے۔ یا بڑھاپے میں جب کوئی عالم ارذل العمر کو پہنچتا ہے تو پڑھا پڑھایا اور سُنا سنایا علم نسیان کی نذر ہونے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دوسری عقل ہے جو کتابی نہیں اور بخشش یزداں ہے۔ اس کا چشمہ جاں کے اندر سے پھوٹتا ہے۔ عقلِ تحصیلی کی ندیاں تو باہر سے آکر ذہن کو سیراب کرتی تھیں جہاں ان ندیوں کا پانی خشک ہوا یا ان کا راستہ بند ہوا وہیں عقل خشک ہو کر رہ گئی۔ کوشش کر کہ چشمۂ معارف تیرے اندر سے پھوٹے تاکہ تو اکتسابی علوم سے بے نیاز ہو جائے:

عقل دو عقل است اوّل مکسبی | کہ در آموزی چو در مکتب صبی
از کتاب و اوستاد و فکر و ذکر | از معانی وز علومِ خوب و بکر
عقلِ تو افزوں شود بر دیگراں | لیک تو باشی ز حفظِ آں گراں
لوحِ حافظ باشی اندر دور و گشت | لوحِ محفوظ است کوزیں درگذشت

عقلِ دیگر بخششِ یزداں بود | چشمۂ آں در میانِ جاں بود

اس چشمے کا پانی ہردم ترو تازہ ہی رہتا ہے:

چوں ز سینہ آبِ دانش جوش کرد | نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد
عقلِ تحصیلی مثالِ جوئہا | کاں رود در خانۂ از کوئہا
راہ آبش بستہ شد، شد بے نوا | تشنہ ماند و زار و با صد ابتلا

از درونِ خویشتن جو چشمہ را
تا رہی از منتِ ہر ناسزا

بازیٔ نظر فریب

دنیا کی لذتیں انسان کے نفسِ اسفل کو بہت دلکش معلوم ہوتی ہیں اور انسان مآل اندیشی سے قطع نظر کر کے ان کی طرف لپکتا ہے۔ ان کے مقابلے میں مقاصدِ عالیہ کی پیروی انسان سے ایثار کی طالب ہوتی ہے۔ ایک مغربی روحانی فلسفی نے کیا سچ کہا ہے کہ خدا ہر انسان کے سامنے دو چیزیں رکھ دیتا ہے ایک طرف راحت جسمانی یا لذّتِ نفسانی اور دوسری طرف حق طلبی، اور کہتا ہے کہ ان دو میں سے جو چاہو منتخب کر لو۔ دو نو چیزیں اس عالم میں بیک وقت نہیں مل سکتیں۔ حق کوش انسان کے لئے اس عالم میں جہاد اور نفس کشی زیادہ ہے اور لذاتِ جسمانی کم اور اتفاقی۔ حدیث نبوی میں ہے کہ رسولِ کریمؐ سے سوال کیا گیا کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ اذیت کس قسم کے انسان کو ہوتی ہے اُنہوں نے فرمایا کہ انبیاء کو۔ جس نسبت سے کسی میں حق کوشی ہے اسی نسبت سے جان توڑ کوشش اور صبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس حقیقت کو عارف رومی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے کسی دوسرے برگزیدہ خدا شناس درویش سے پوچھا کہ تو نے حضرتِ حق کے ہاں کیا دیکھا۔ اس نے کہا کہ جو حقیقت دیکھی وہ تو بے چون وچگون ہے اور احاطۂ بیان میں نہیں آسکتی لیکن میں نے دیکھا کہ خدا کے دائیں ہاتھ کی طرف جوئے کوثر ہے اور اس کے بائیں طرف آگ بھڑک رہی ہے جو جہاں سوز معلوم ہوتی ہے

انسانوں کا ایک گروہ اس آگ کی طرف لپک رہا ہے جس طرح پروانے شمع پر گرتے ہیں اور دوسرا گروہ شادو مست کوثر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن شقی اور سعید انسانوں کے انجام کے متعلق یہ الٹا کھیل تھا۔ آگ میں کودنے والا دوسری جانب حوضِ کوثر میں سے شاداں و فرحاں سر نکالتا ہے اور جو کوئی کوثر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ تھوڑے عرصہ کے بعد بھڑکتے ہوئے شعلوں کے اندر دکھائی دیتا ہے۔ عام طور پر لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں اور مفادِ عاجلہ کے آرزومند ہونے کی وجہ سے عاقبت بیں نہیں ہوتے اس لئے کم ہی کوئی شخص ایسا دکھائی دیتا ہے جو ظاہری صورتوں سے فریب خوردہ نہ ہو:

گفت درویشے بدرویشے کہ تو — چوں بدیدی حضرتِ حق را بگو
گفت بے چوں دیدم امّا بہر قال — باز گویم مختصر آں را مثال
دیدمش سوئے چپِ او آذرے — سوئے دستِ راست جوئے کوثرے
سوئے آں آتش گروہے بردہ دست — بہر آں کوثر گروہے شاد و مست
لیک لعبِ باژگونہ بود سخت — پیشِ پائے ہر شقی و نیک بخت
ہر کہ سوئے آب می رفت از میاں — او در آتش یافت می شد در زماں
کم کسے بر سرِّ ایں مضمر زدے — لاجرم کم کس در آں آتش شدے
جز کسے کہ بر سرش اقبال ریخت — کو رہا کرد آب و در آتش گریخت

کردہ ذوقِ نقد را معبود خلق
لاجرم زیں لعب مغبوں بود خلق

اے خلیل ایں جا شرار و دود نیست — جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست
چوں خلیلِ حق اگر فرزانۂ — آتش آبِ تست و تو پروانۂ

عرفی نے کہا کہ:

رُوئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش است

اور یہ بھی اسی سے ملتا جلتا مضمون ہے۔